علامہ اقبال اور مولانا عبدالمجید سالک

ڈاکٹر محمد سلیم

علامہ محمد اقبال نابغۂ روزگار اور ہمہ گیر شخصیت تھے۔ وہ بیسویں صدی کے سب سے عظیم مسلم مفکر، شاعرِ مشرق اور صاحب بصیرت سیاسی رہنما تھے۔ قدرت نے ان کو بہت سی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ تاریخ کے اوراق ان کی بصیرت، فراست، معاملہ فہمی اور دور اندیشی نیز قوم سے ان کی خیر خواہی کی روشنی سے جگمگا رہے ہیں۔ ان کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ وہ شاعر مشرق اور مفکر اسلام تو تھے لیکن زندگی بھر عملی سیاست سے الگ تھلگ اور گوشہ نشین رہے۔ یہ تاثر درست نہیں۔ وہ نہ صرف اپنے عہد کی سیاسی تحریکوں کو ان کے صحیح پس منظر میں سمجھتے تھے بلکہ سیاست میں بھی بھر پور حصہ لیتے رہے۔ درحقیقت سیاست ان کی زندگی کا ایک اہم اور روشن باب ہے۔ انھوں نے قیام پاکستان سے سترہ برس پیشتر ہی اپنی بصیرت سے مستقبل کے دھندلے نقوش میں ایک آزاد اسلامی مملکت کا نقشہ ابھرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

مولانا عبدالمجید سالک ایک مرنجاں مرنج شخصیت تھے۔ ان کی نثر طنز و مزاح کے گلشن کا ایسا سدابہار پھول ہے جس کی خوشبو سے ساری فضا مہکتی ہے۔ شوخی ان کا مزاج ہے۔ وہ بذلہ سنجی میں باکمال اور بے مثال تھے۔ ممتاز صحافی، فکاہات کی سلطنت کے بے باک حکمران، مترجم اور شاعر بھی، لیکن ان کے کالم ''افکار وحوادث'' کی غیر معمولی شہرت سے ان کی باقی ادبی خوبیاں ثانوی حیثیت اختیار کر گئیں۔ ''افکار وحوادث'' میں شگفتگی، سوچ کی انفرادیت اور زبان کی سادگی و سلاست کا امتزاج ان کی غیر معمولی ادبی صلاحیتوں کا ثبوت ہے۔ البتہ سیاسی معاملات میں وہ صرف اپنے ذاتی مفاد کو پیش نظر رکھتے تھے اور کسی قسم کی اخلاقی قدروں کے پابند نہیں تھے۔

عبدالمجید سالک ۱۳ یا ۱۴ دسمبر ۱۸۹۴ء کو بٹالہ ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام (منشی) غلام قادر تھا۔ ابتدائی تعلیم پٹھان کوٹ میں حاصل کی۔ انھوں نے اپنی چند ابتدائی غزلیں ۱۹۱۰ء میں (عمر ۱۶ سال) مرزا داغ دہلوی کے ایک شاگرد رسا رام پوری کو دکھائیں۔ ۱۹۱۲ء کے آغاز میں رسا کا انتقال

ہو گیا۔ اس کے بعد کسی اور سے اصلاح نہیں لی۔ ۲۲ جون ۱۹۱۱ء کو لندن میں شاہنشاہ جارج پنجم کی تاج پوشی ہوئی۔ اسی دن ہندوستان میں بھی جلسے ہوئے۔ تحصیلدار کی فرمائش پر اس سلسلے میں پٹھان کوٹ کے جلسے میں انھوں نے بھی ایک نظم پڑھی۔ ۱۰ مئی ۱۹۱۲ء کو ان کی شادی ہو گئی۔ اس وقت ان کی عمر ساڑھے سترہ سال تھی۔ ۱۹۱۵ء میں لاہور آئے اور مولوی سید ممتاز علی کے جرائد پھول اور تہذیبِ نسواں کے ایڈیٹر بن گئے۔ ۱۹۲۰ء میں اخبار زمیندار سے منسلک ہو گئے۔ ۴ رنومبر ۱۹۲۱ء کو تحریکِ عدم تعاون کے سلسلے میں گرفتار کر لیے گئے اور سال بھر جیل میں رہے۔ نومبر ۱۹۲۲ء میں رہا ہو کر پھر ادارہ زمیندار میں شامل ہو گئے۔ مولانا ظفر علی خاں سے اختلاف کی وجہ سے، وہ اور مولانا غلام رسول مہر، ۱۹۲۷ء میں میندار سے الگ ہو گئے اور اپنا اخبار انقلاب جاری کیا جو پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے تک قائم رہا۔ انھوں نے بہت سی کتابیں تصنیف و ترجمہ کی ہیں۔ اپنی سوانح حیات سر گزشت کے نام سے لکھی ہے اور علامہ اقبال کی سوانح حیات ذکرِ اقبال کے نام سے تحریر کی ہے۔[۱]

شفیع عقیل کے ساتھ ایک انٹرویو میں مولانا عبدالمجید سالک نے کہا:[۲]

فنونِ لطیفہ سے مجھے مصوری، موسیقی، سنگ تراشی کسی کا شوق نہیں رہا۔ شاعری کے ساتھ بھی یوں ہی سا تعلق رہا۔ صحافت ہر چیز پر غالب آ گئی۔ ڈاکٹر محمد اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد دونوں نظم و نثر کے امام تھے۔ انھوں نے میرے ذوق پر بھی اثر ڈالا اور حسیات اسلامی کو بھی تقویت بخشی۔ میں ادب میں جمود کا قائل نہیں۔

وہ ۲۷ ردسمبر ۱۹۵۹ء کو لاہور میں وفات پا گئے۔[۳]

عبدالمجید سالک لکھتے ہیں:[۴]

ڈاکٹر اقبال سے تو روز بروز تعلقات بڑھ رہے تھے۔ اگرچہ ۱۹۱۳ء میں بھی مَیں متعدد بار ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن اس کے بعد دو سال پٹھان کوٹ میں قیام کی وجہ سے انقطاع ہو گیا۔ ۱۹۱۵ء کے اواخر میں تجدید ہوئی اور خوب صحبتیں رہنے لگیں۔

عبدالمجید سالک لکھتے ہیں:[۵]

حضرتِ علامہ ۱۹۲۲ء میں انارکلی بازار کے بالا خانے سے اُٹھ کر میکلوڈ روڈ کی ایک پرانی کوٹھی میں منتقل ہو گئے۔ یہ کوٹھی پربھات سینما اور رتن سینما کے درمیان واقع تھی۔ راقم الحروف جب تحریکِ خلافت میں ایک سال کی قید کاٹ کر واپس آیا اور حسبِ عادت علامہ سے ملنے کے لیے انارکلی کو چلا تو احباب نے بتایا کہ وہ میکلوڈ روڈ کے فلاں مکان میں چلے گئے ہیں۔ جب میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ میکلوڈ روڈ سے اندر جا کر ایک فرسودہ مکان ہے اور دائیں ہاتھ اس مکان کا ایک چھوٹا سا ''ضمیمہ'' بھی ہے۔ یہاں علی بخش بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھ کر اچھل پڑا اور جھٹ علامہ کو اطلاع دی۔ میں اسی ''ضمیمے'' کے ایک کمرے میں جس کو علامہ نے اپنا دفتر بنا رکھا تھا، داخل ہوا ہی تھا کہ علامہ اپنے معمول کے خلاف اُٹھ کر لپکے اور مجھے سینے سے لگا لیا۔ اس کے بعد

بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ مجھ سے جیل کی زندگی کی تفصیلات دریافت کیں اور یہ سن کر کہ وہاں صبح سے شام تک ایک ضبط و نظم کی شدید پابندی کرنی پڑتی ہے، فرمایا: الدنیا سجن المومن و جنۃ الکافر کا غالباً یہی مطلب ہے۔ جس طرح قیدی ہر کام مقررہ وقت پر انجام دیتا ہے، محنت مشقت میں مصروف رہتا ہے اور روکھی سوکھی کھا کر اور موٹا جھوٹا پہن کر خدا کا شکر ادا کرتا ہے اور ہمیشہ نیک نامی کے ساتھ جیل سے نجات پانے کی دعائیں کرتا ہے، اسی طرح مومن دنیا میں پابندی، محنت، سادگی، فرض شناسی کی زندگی بسر کرتا ہے، تعیش سے مجتنب رہتا ہے اور آبرو کے ساتھ اس تیرہ خاک داں سے رخصت ہو کر اپنے پیدا کرنے والے کے دربار میں حاضر ہونے کا خواہاں رہتا ہے۔ کافر کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے۔

کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے اسی قسم کی بصیرت افروز باتیں ہوتی رہیں۔ پھر میں نے عرض کیا: حضرت! کیا لاہور میں اس سے بہتر کوٹھی نہ ملتی تھی؟ یہ تو بہت ہی پرانی ہے۔ ہنس کر فرمانے لگے: جی ہاں! یہ تو صرف میری دعاؤں کے سہارے کھڑی ہے ورنہ اس میں قائم رہنے کی کوئی بات باقی نہیں۔

۱۹۲۷ء میں اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی نے ''نذرِ اقبال'' کے عنوان سے ایک فارسی نظم لکھی تھی جو ۲۴ ستمبر ۱۹۲۷ء کے روزنامہ انقلاب میں شائع ہوئی۔ اس میں ایک شعر تھا:

اے کہ سینا ذرّۂ از تابِ تو
نعرۂ ارنی زنم بر بابِ تو

(ترجمہ: اے وہ کہ (کوہِ) سینا تیری تجلّی کا ایک ذرّہ ہے، میں تیرے دروازے پر ارنی (اپنا جمال دکھا) کا نعرہ لگا رہا ہوں۔)

مدیر انقلاب نے یہ نظم شائع کرتے ہوئے یہ نوٹ لکھ دیا: ''ارنی کی را متحرک ہوتی ہے، نہ جانے نظیر صاحب نے ساکن کیوں باندھی''۔ اس پر علامہ اقبال نے عبدالمجید سالک کو یہ خط لکھا جو ۲۸ ستمبر ۱۹۲۷ء کے انقلاب میں چھپا:

ڈیر سالک

ٹیک چند بہار نے ابطالِ ضرورت میں رب ارنی پر مفصّل بحث کی ہے۔ افسوس اس وقت ابطالِ ضرورت کا کوئی نسخہ میرے پاس موجود نہیں۔ بہر حال یہ صحیح ہے کہ اساتذۂ عجم نے رب ارنی کی رائے ثانی کو بسکون بھی استعمال کیا ہے۔ سالک لاہوری، سالک یزدی کا شعر ملاحظہ فرمائیں:

مرغِ ارنی گو زشوقِ لن ترانی پرزند
پیشِ موسیٰ خارخارِ وادی ایمن گل است

(ترجمہ: ارنی کہنے والا پرندہ، شوقِ لن ترانی میں پھڑ پھڑا رہا ہے، موسیٰ کے لیے وادی ایمن کا ہر ایک کانٹا پھول ہے۔)

اصغر حسین صاحب کے شعر میں کوئی غلطی نہیں۔ والسلام

محمد اقبال[۶]

عبدالمجید سالک لکھتے ہیں:[۷]

جب ڈاکٹر (اقبال) صاحب کی طبیعت ناساز ہوگئی تو انھوں نے اپنے معالج حکیم عبدالوہاب نابینا سے صرف ایک آم روزانہ کھانے کی اجازت حاصل کر لی۔ ایک دن میں گیا تو ڈاکٹر صاحب کے سامنے ایک پلیٹ میں سیر بھر کا الفانسو (آم کی ایک قسم) پڑا تھا۔ میں نے کہا: آپ نے پھر بدپرہیزی شروع کر دی۔ کہنے لگے: حکیم صاحب نے ایک آم روزانہ کی اجازت دے رکھی ہے۔ آخر یہ ایک آم ہی تو ہے! میں یہ لطیفہ سن کر دیر تک ہنستا رہا۔

عبدالمجید سالک رقم طراز ہیں:[۸]

(جب زمیندار سے علیحدہ ہوکر ہم نے اپنا اخبار نکالنے کا ارادہ کیا تو) ایک شام علامہ اقبال کے ہاں بیٹھے تھے کہ اخبار کا نام انقلاب تجویز ہوا اور علامہ نے اس کے پہلے پرچے کے صفحہ اول کے لیے نظم لکھی جس میں سرمایہ دار و مزدور کی کشمکش کا ذکر بھی کیا جو حقیقت میں انقلاب کے اجرا کا باعث ہوئی:

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب
از جفائے دہ خدایاں کشتِ دہقاناں خراب
انقلاب، انقلاب، اے انقلاب

حکومت برطانیہ اپنی سلطنت میں سیاسی، فوجی، علمی، ادبی خدمات کے لحاظ سے ہر سال خطابات عطا کرتی تھی۔ یکم جنوری ۱۹۲۳ء کو حکومت نے علامہ اقبال کے علمی مقام کے پیش نظر انھیں سر کا خطاب دیا۔ لیکن مسلم عوام نے اسے پسند نہ کیا۔ ان کے دلوں میں اقبال کا جو مقام تھا وہ ایسے خطابات کا محتاج نہ تھا۔ جاوید اقبال لکھتے ہیں[۹] مولانا عبدالمجید سالک نے فوری ردعمل کے طور پر چند اشعار بھی زمیندار میں شائع کر دیے:

لو مدرسۂ علم ہوا قصرِ حکومت
افسوس کہ علامہ سے سر ہوگئے اقبال
پہلے تو سرِ ملت بیضا کے وہ تھے تاج
اب اور سنو تاج کے سر ہوگئے اقبال
سر ہوگیا ترکوں کی شجاعت سے سمرنا
سرکار کی تدبیر سے سر ہوگئے اقبال

عبدالمجید سالک لکھتے ہیں:[۱۰]

راقم الحروف نے جو اس سے دو ماہ قبل ترکِ موالات میں سال بھر کی قید کاٹ کر واپس آیا تھا، زمیندار میں چند اشعار شائع کیے اور ایک دو کالم ''افکار و حوادث'' کے بھی لکھ دیے۔ وہ اشعار زبان زدِ عام ہوگئے۔ لیکن وہ ایک فوری جذبہ تھا۔ اشعار چھپ جانے کے بعد راقم پر ندامت کا غلبہ ہوا اور چند ہفتے علامہ کی خدمت میں

حاضری کی جرأت نہ کر سکا۔ لیکن جب آخر ڈرتے ڈرتے حاضر ہوا تو علامہ کے طرزِ تپاک اور محبت آمیز سلوک میں کوئی فرق نہ آیا تھا بلکہ وہ شاکی تھے کہ اتنی مدت تک ملنے کیوں نہ آئے۔

علامہ کو خطاب ملنے پر ان کے دوست میر غلام بھیک نیرنگ نے انھیں لکھا کہ شاید اب آپ آزادی سے اپنے خیالات کا اظہار نہ کر سکیں۔ اس پر علامہ اقبال نے یہ جواب تحریر کیا:[۱۱]

قسم ہے خدائے ذوالجلال کی جس کے قبضے میں میری جان اور آبرو ہے اور قسم ہے اس بزرگ و برتر وجود کی جس کی وجہ سے مجھے خدا پر ایمان نصیب ہوا اور مسلمان کہلاتا ہوں، دنیا کی کوئی قوت مجھے حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ انشاءاللہ۔ اقبال کی زندگی مومنانہ نہیں لیکن اس کا دل مومن ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ خطاب حاصل کرنے کے بعد اقبال کی آزادیِ اظہار میں اضافہ ہی ہوا۔

اقبال کو سر کا خطاب ملنے پر ان کے دوست اور فارسی کے معروف شاعر گرامی نے انھیں لکھا:[۱۲] ''اقبال کو سر کا خطاب ملا۔ ایک جہان شور در سر ہے۔ بے معنی شور ہے۔ اس شور سے بوئے حسد آ رہی ہے۔ گویا آپ کے سر نے خیرہ سروں کو سر بہ زانو کر دیا۔''

پھر یہ رباعی بھی کہی:

ہر نکتۂ علامہ وفا آہنگ است
ہر حرف کلید حکمت و فرہنگ است
اقبال سر اقبال شد از جوہرِ علم
حاسد عو عو کند علاجش سنگ است

(ترجمہ: علامہ کا ہر نکتہ وفا سے ہم آہنگ ہے اور ہر حرف علم و حکمت کی کنجی ہے۔ اقبال اپنے جوہر علم کی بدولت سر اقبال ہو گئے۔ حاسد بھونکتا ہے تو اس کا علاج پتھر ہے۔)

حزیں کاشمیری لکھتے ہیں:[۱۳]

روزنامہ انقلاب کی پالیسی یونینسٹ نواز پالیسی تھی اور اُدھر سے ان کی مالی اعانت بھی ہوتی تھی۔ یہ اخبار حکومتِ افغانستان کی، جو اکثر و بیشتر پاکستان کے خلاف زہر اگلتی رہتی تھی، مدح سرائی بھی کرتا تھا۔ جب رفتہ رفتہ روزنامہ انقلاب کی مالی معاونت میں کمی آتی گئی تو دو تین بار شیخ مبارک علی نے بھی اس اخبار کی مالی معاونت کی۔ مولانا سالک جب کبھی دکان پر تشریف لاتے تو مجھ پر ان کے آنے کا مقصد فی الفور واضح ہو جاتا۔ پھر ادھر ادھر سے بھی پتا چل جاتا کہ ان کے آنے کی غرض و غایت کیا تھی۔

شورش کاشمیری لکھتے ہیں:[۱۴]

اور باتوں کے علاوہ، ''افکار و حوادث'' میں کانگریس اور اس کے زعما پر پھبتیاں کسی جاتیں یا ان لوگوں پر چوٹیں ہوتیں جو کانگریس کے قریب اور سرکار کے حریف تھے۔ انقلاب کے اس کردار کا دفاع نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا مزاج حکومت کے نزدیک رہا۔ لیکن زبان کا ذائقہ جو اُن کے ہاں تھا اور کہیں بھی نہیں تھا۔ وہ الفاظ سے مزاح کو پیدا نہیں کرتے تھے بلکہ ظرافت ان کے دماغ سے اگتی تھی۔

شورش کاشمیری یہ بھی لکھتے ہیں:[۱۵]

جب خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم ہوئے، تو مجید ملک (پرنسپل انفرمیشن آفیسر) کی تحریک پر حکومت پاکستان کی وزارت اطلاعات سے منسلک ہو کر اٹھارہ سو روپے ماہوار پر کراچی چلے گئے۔ (یاد رہے کہ ان دنوں یونیورسٹی لیکچرر کی تنخواہ تقریباً ۲۵۰ روپے ماہوار تھی)۔ وہاں فرضی ناموں سے حکومت کی پالیسیوں کے حق میں مضامین لکھتے رہے۔ بعض سرکاری مطبوعات کے ترجمے کیے۔ خواجہ ناظم الدین کی تقریریں لکھیں۔ ملک غلام محمد کا زمانہ آیا تو اسی خدمت پر مامور رہے۔ چار سال بعد وہاں سے لوٹے۔ شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک!

سید نذیر نیازی لکھتے ہیں:[۱۶]

۶ رفروری ۱۹۳۸ء کو نواب شاہنواز ممدوٹ تشریف لائے۔ میں نے دیکھا کہ باہر صحن میں حضرات سالک و مہر کھڑے ہیں جیسے کسی کا انتظار ہو۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں ایک گاڑی صحن میں داخل ہوئی اور نواب مظفر خاں، سید محمد علی جعفری، سید محسن شاہ اور دو ایک اور حضرات گاڑی سے نکل کر برآمدے میں داخل ہوئے۔ معلوم ہوا کہ شہید گنج کے سلسلے میں اپیل کا مسئلہ مشورہ طلب ہے۔ حضرت علامہ اٹھے اور نشست گاہ میں تشریف لے گئے۔

اگلے دن ارشاد ہوا: کل یہ لوگ بہت دیر تک بیٹھے رہے۔ ان کا خیال پریوی کونسل میں اپیل دائر کرنے کا ہے۔ لیکن میں نے ان کی رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ میں نے تو صاف صاف کہہ دیا تھا کہ میں اس کے خلاف ہوں۔ اتنے میں چودھری (محمد حسین) صاحب آ گئے۔ وہ بڑے برافروختہ معلوم ہوتے تھے۔ السلام علیکم کے بعد انھوں نے انقلاب اور زمیندار تپائی پر رکھ دیے اور کہنے لگے: ذرا دیکھیے تو، انقلاب نے کیا خبر شائع کر دی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کل کا مشورہ ایک چال تھا اور وہ یہ کہ جاوید منزل کی اس ملاقات کو جلسے کا نام دے کر یہ ظاہر کیا جائے کہ آپ بھی پریوی کونسل میں اپیل دائر کرنے کے حق میں ہیں۔

اس پر حضرت علامہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور ان کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے: ھذا بھتان عظیم۔ فرمایا: چودھری صاحب! اس خبر کی فوراً تردید ہو جانی چاہیے۔ میں ہرگز اپیل کے حق میں نہیں ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں یہ حضرات دیر تک بیٹھے آپس میں مشورہ کرتے رہے لیکن میں نے معذرت کر دی تھی۔ میں تو جلد ہی اٹھ کر پلنگ پر آ لیٹا تھا۔ پھر جب یہ حضرات گئے تو اتنا ضرور کہتے گئے کہ ہماری رائے اپیل کرنے کی ہے۔ لیکن میں نے مکرر اپنی رائے کا اظہار کر دیا تھا کہ میں اس کے خلاف ہوں۔

حضرت علامہ نے بات ختم کی تو ہمارے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ انقلاب اور زمیندار نے ایسی غلط بیانی کس لیے کی۔ یہ بڑی غیر ذمہ داری کی بات تھی۔ زمیندار کی طرف سے تو خیر کہا جا سکتا تھا کہ اسے جیسی اطلاع ملی شائع کر دی لیکن انقلاب نے ایسا کیوں کیا؟ مدیرانِ انقلاب تو اس مشورے میں شامل تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ حضرت علامہ اپیل کے خلاف ہیں۔ بالآخر طے پایا کہ جو ہوا سو ہوا، اب مصلحت یہ ہے کہ حضرت علامہ کی طرف سے فوراً ایک تردیدی بیان شائع کر دیا جائے۔ لہٰذا میں نے

پھر قلم دان اٹھایا اور حضرت علامہ اور چودھری صاحب کے باہم مشورے سے ایک مختصر سا بیان لکھا۔ بیان صاف ہو گیا تو حضرت علامہ نے مجھ سے فرمایا کہ آج ہی حضرات سالک و مہر سے ملوں اور ان سے کہہ دوں کہ اس خبر کی تردید شائع کر دیں۔

حضرت علامہ کو رنج تھا کہ ان حضرات نے جو کل مشورے کے لیے آئے تھے، محض اپنی مصلحت جوئی اور مفاد پسندی کی خاطر ایک ایسی بات ان سے منسوب کر دی جس پر انھوں نے ہرگز ہرگز رضامندی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ انھوں نے ایسی غلط بیانی کیوں کی؟ اس جھوٹ سے فائدہ؟

حضرت علامہ بار بار فرماتے: ''افسوس ہے ایک تو اس فریق پر جو برسرِاقتدار ہے اور جس نے مسجد کو گرتے ہوئے دیکھا اور چپ چاپ خانۂ خدا کی بے حرمتی برداشت کی۔ مگر پھر جب مسلمانوں کی غیرتِ ملّی نے جوش مارا تو اس نے بھی بہ تقاضائے مصلحت محسوس کیا کہ انہدامِ مسجد پر احتجاج لازم ہے اور عدالت کا دروازہ جا کھٹکھٹایا۔ اب عدالت سے کورا جواب ملا ہے تو پریوی کونسل میں اپیل کی سوجھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وقت گزرتا جائے اور معاملہ ٹلتا رہے۔ دوسرے ان لوگوں پر جو ایک بیمار کے یہاں مشورے کے لیے آئے اور جنھوں نے یہ جانتے ہوئے کہ اس کی رائے اپیل کے خلاف ہے، یہاں تک کہ وہ ان کے مشورے میں شریک بھی نہیں ہوا، اعلان کر دیا کہ وہ بھی اپیل کے حق میں ہے۔ یہ بڑی لغو اور ناروا بات ہے۔ سرتاسر جھوٹ اور اتہام۔ پھر ستم یہ ہے کہ انھوں نے اس ملاقات کو جو صرف نجی گفتگو تک محدود تھی باقاعدہ مشورے کا رنگ دے دیا اور یوں مجھے دوگونہ ایذا دی جس کی ان سے ہرگز توقع نہیں تھی۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ وہ ایسا کریں گے۔ یہ کیسی بے دردی ہے! انھوں نے مجھ پر ظلم کیا اور اپنے اس فیصلے سے کہ اپیل کرنا چاہیے مسلمانوں پر بھی ظلم کر رہے ہیں۔ افسوس کہ جو لوگ مسلمانوں کی بہی خواہی کا دم بھرتے ہیں ان کے کردار میں دیانت ہے نہ صداقت۔ آج کل کے دل سوز سے خالی ہیں۔

چونکہ مجھے حضرات سالک و مہر سے ملنا تھا، میں نے حضرت علامہ سے اجازت طلب کی۔

میں انقلاب کے دفتر پہنچا تو اول سالک مرحوم سے ملا۔ انھوں نے کہا: میرا تعلق ان معاملات سے نہیں۔ مہر صاحب سے ملیے۔ (حالانکہ دونوں حضرات علامہ صاحب کے گھر گئے تھے اور سر سکندر حیات کے کہنے پر جھوٹی خبر بنانے میں برابر کے شریک تھے)۔ مہر صاحب سے ملا تو انھوں نے کہا: اچھا اگر حضرت علامہ اپیل کے حق میں نہیں ہیں تو کیا ان کا ارادہ قانون شکنی کا ہے؟ میں نے کہا آپ کی اس بات کا جواب تو حضرت علامہ ہی دے سکتے ہیں۔ مجھے تو صرف اتنا کہنا ہے کہ یہ ان کا بیان ہے اور آپ کا اخلاقی فرض ہے کہ اسے شائع کر دیں تاکہ اس غلط خیال کا ازالہ ہو جائے کہ حضرت علامہ پریوی کونسل میں اپیل کرنے کے حق میں ہیں۔ پھر یہ بات آپ کے علم میں بھی ہے۔ مہر صاحب نے کہا: یہ ٹھیک ہے کہ حضرت علامہ کی رائے اپیل کے خلاف ہے لیکن بیان کا شائع کرنا قرینِ مصلحت نہیں۔ میں واپس آ گیا۔

اس سلسلے میں لطف کی بات یہ ہے کہ باوجود اپیل کا شاخسانہ کھڑا کرنے کے یونینسٹ پارٹی کے اربابِ حل و

عقد نے اپیل دائر نہیں کی۔ لہٰذا حضرت علامہ کا یہ کہنا کیا غلط تھا کہ ان لوگوں کا اصل مقصد صرف یہ ہے کہ وقت گزرتا رہے، یہ نہیں کہ کچھ کریں۔

میں جب دفتر انقلاب سے نکلا تو (انگریزی اخبار) ٹریبیون کا رخ کیا۔ حضرت علامہ کا ارشاد تھا کہ انگریزی میں بھی ان کے تردیدی بیان کی اشاعت ہو جانی چاہیے۔ اس زمانے میں ہمارے ترکِ موالات اور جامعہ کے ساتھی جنگ بہادر سنگھ ٹریبیون کے عملۂ ادارت میں شامل تھے۔ ٹریبیون تو یوں بھی اس بیان کی اشاعت کرتا لیکن مدیر مذکور کی وجہ سے اسے بڑی نمایاں جگہ دی گئی۔ دوسرے روز احسان اور شاید زمیندار نے بھی تردید شائع کر دی۔

شام کے قریب پھر (حضرت علامہ کے پاس) حاضر ہوا۔ حضرات سالک و مہر سے ملاقات کی کیفیت بیان کی۔ عرض کیا کہ انھیں تردیدی بیان شائع کرنے سے انکار ہے۔ وہ کہتے ہیں ایسا کرنا مناسب نہ ہوگا اور پھر ان سے ملاقات کی ساری کیفیت بیان کر دی۔ حضرت علامہ نے جیسے جیسے میرا بیان سنا، ان کی کبیدگی خاطر بڑھتی چلی گئی۔ انھیں رنج تھا کہ مدیرانِ انقلاب نے باوجود دیرینہ روابط اور دعویٰ مودت کے ایک تردیدی بیان کیوں شائع نہیں کیا۔ وہ ایک جھوٹ کو کیوں فروغ دے رہے ہیں۔

اگلے دن ۸/فروری کو جب حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھیں اطمینان تھا کہ ٹریبیون میں اس کی اشاعت تمام و کمال ہو گئی، لہٰذا قوم کو اس باب میں کوئی غلط فہمی نہیں رہے گی۔ حضرت علامہ کی کبیدگی خاطر بھی بڑی حد تک دور ہو چکی تھی۔

سید نذیر نیازی لکھتے ہیں:[۱۷]

۱۰/مارچ کو سالک صاحب، مہر صاحب آئے۔ حضرت علامہ کی خیریت مزاج دریافت کی۔ لیگ، یونینسٹ پارٹی اور کانگریس کی سیاسی روش کے پیشِ نظر سرسری سی گفتگو ہوئی۔ حضرت علامہ نے فرمایا مسلمانوں کا اتحاد ضروری ہے اور یہ اتحاد لیگ ہی کے ذریعے ممکن ہے۔

۲۱/مارچ کو حضرت علامہ نے فرمایا:[۱۸]

صبح مہر و سالک آئے تھے۔ جب تک بیٹھے رہے، یہی کوئی بیس پچیس منٹ، لیگ اور یونینسٹ پارٹی کی باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے ان سے کہا: ہمارے مسائل کا حل صرف ایک ہے۔ یونینسٹ پارٹی توڑ دی جائے۔ لیگ جو متحدہ محاذ قائم کر رہی ہے سب اس میں شامل ہو جائیں، سب اس کو تقویت پہنچائیں۔ مسلمانوں کی زمامِ قیادت صرف لیگ کے ہاتھ میں رہے۔ ہمیں جناح سے بہتر کوئی آدمی نہیں مل سکتا۔ جناح ہی ہماری قیادت کے اہل ہیں۔

آپ نے نوٹ کیا کہ اپنی ساری باتوں کے باوجود، علامہ اقبال کی فراخ دلی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، سالک و مہر نے چند ہفتے بعد ہی علامہ اقبال کے گھر جا کر ان سے گفتگو کرنے میں کسی قسم کی جھجک اور شرم محسوس نہیں کی! یعنی جو کچھ کیا تھا اس پر کسی شرمندگی کا اظہار نہیں کیا۔ علامہ اقبال نے اپنی کشادہ دلی کی

وجہ سے مولانا عبدالمجید سالک کو ان کی آمد پر ہمیشہ خوش آمدید کہا لیکن مولانا سالک نے علامہ اقبال کی زندگی کے آخری دنوں تک ان کی عظمت کو ٹھیس پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور اور اپنی حرکتوں کے باوجود علامہ اقبال کے گھر آنا جانا قائم رکھا تا کہ سر سکندر حیات کو ان کے بارے میں مسلسل اطلاع دیتے رہیں:

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

پتا نہیں علامہ اقبال نے ''مخلص منافقین'' کی اصطلاح کن کے لیے استعمال کی تھی؟

عبدالمجید سالک لکھتے ہیں:[۱۹]

علامہ آل انڈیا مسلم لیگ کو یہ ترغیب دے رہے تھے کہ وہ اپنا سالانہ اجلاس لاہور میں منعقد کرے۔ لیکن علامہ کو ناکامی ہوئی اس لیے کہ سر سکندر حیات خاں حتی الوسع صوبے کو فرقہ وارکشیدگی کے مزید مظاہر سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے ہائی کمان کو سر سکندر نے اس امر کا قائل کرلیا کہ موجودہ فضا میں لیگ کا جلسہ لاہور میں نہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ ہائی کمان نے مقامِ اجلاس کلکتہ قرار دیا جہاں شہید گنج کی کوئی گونج تک سنائی نہ دے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں حقائق کو چھپانے میں مولانا عبدالمجید سالک نے کسی قسم کی شرم محسوس نہیں کی۔ حقیقت میں ان کے سرپرست سر سکندر حیات نے ملک برکت علی کے توسط سے علامہ اقبال کی بیماری کا بہانہ بنا کر ان کی جگہ اپنے حواری نواب شاہنواز ممدوٹ کو پنجاب مسلم لیگ کا صدر بنا لیا تھا۔ نواب ممدوٹ نے سر سکندر حیات کے حکم کی تعمیل میں آل انڈیا مسلم لیگ کو یہ خط لکھا کہ مسلم لیگ کا جلسہ لاہور میں نہیں ہونا چاہیے۔ جب پنجاب مسلم لیگ کا صدر یہ بات کہہ رہا ہو، تو جلسہ لاہور میں کیسے ہوسکتا تھا؟

سر سکندر کے دفاع میں سالک و مہر سرتاپا دروغ گوئی کا حجاب اوڑھ لیتے تھے۔

عبدالمجید سالک لکھتے ہیں:[۲۰]

علامہ اقبالؒ نے جس دن سے خارزارِ سیاست میں قدم رکھا، اپنے نصب العین کے معاملے میں ذرہ بھر مفاہمت بھی گوارا نہیں کی۔ وہ اول و آخر ظاہر و باطن مسلمان تھے اور مسلمانوں کی جداگانہ ملّی حیثیت کے سوا اور کسی لائن پر سوچنے کے عادی ہی نہ تھے۔ چنانچہ ۱۹۲۶ء سے لے کر جب وہ پنجاب کونسل کے ممبر منتخب ہوئے، تادمِ آخر مسلمانوں کے ملّی مطالبات اور جداگانہ انتخاب کے حامی رہے۔ اس راستے پر اقبالؒ کا قدم کبھی نہ ڈگمگایا۔ انھوں نے نہرو رپورٹ کی مخالفت کی، سائمن کمیشن سے تعاون کیا، آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے انعقاد کا بندوبست کیا، دونوں لیگوں کو دوبارہ متحد کرنے کے لیے کوشش کی۔ ان تمام اقدامات کا مطلب صرف یہ تھا کہ مسلمان اپنی علیحدہ اور جداگانہ ملّی ہستی کو محفوظ کرنے کے لیے یک سو اور متحد ہو جائیں اور قومیتِ متحدہ کے دامِ فریب میں گرفتار نہ ہونے پائیں۔ پھر آخر میں ۱۹۳۰ء کے اجلاس مسلم لیگ میں مسلمانوں کو ایک نصب العین بھی دے دیا جس کا نتیجہ پاکستان کی صورت میں ظاہر ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱- شفیع عقیل، ادب اور ادبی مکالمے، اکادمی بازیافت، اردو بازار، کراچی، ۲۰۰۲ء، ص ۱۸، ۲۰؛ حزیں کاشمیری، کہاں گئے وہ لوگ، اردو کتاب گھر، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۲۹۲؛ سید مظفر حسین برنی (مرتب)، کلیات مکاتیبِ اقبال، جلد دوم، اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۹۳ء، ص ۸۹۵؛ عبدالمجید سالک، سر گزشت، قومی کتب خانہ، ریلوے روڈ، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۲۲، ۲۸، ۴۰؛ چراغ حسن حسرت، مقدمہ سر گزشت، ص ۷۔
۲- عبدالمجید سالک بحوالہ ادب اور ادبی مکالمے، ص ۲۱، ۲۲، ۲۶، ۲۷۔
۳- کلیات مکاتیبِ اقبال، جلد دوم، ص ۸۹۵۔
۴- عبدالمجید سالک، سر گزشت: ص ۴۹، ۵۰۔
۵- عبدالمجید سالک، ذکرِ اقبال، بزم اقبال، کلب روڈ، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۱۱۳، ۱۱۴۔
۶- کلیاتِ مکاتیب اقبال، جلد دوم، ص ۶۷۸، ۶۷۹۔
۷- عبدالمجید سالک، سر گزشت، ص ۳۴۸۔
۸- ایضاً، ص ۲۳۴۔
۹- جاوید اقبال، زندہ رود، جلد دوم، شیخ غلام علی اینڈ سنز، چوک انار کلی، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۲۶۳۔
۱۰- عبدالمجید سالک، ذکرِ اقبال، ص ۱۱۶، ۱۱۷۔
۱۱- کلیات مکاتیب اقبال، جلد دوم، ص ۴۱۶۔
۱۲- غلام قادر گرامی بحوالہ کلیات مکاتیب اقبال، جلد دوم، ص ۴۱۹۔
۱۳- حزیں کاشمیری، کہاں گئے وہ لوگ، ص ۵۷۹۔
۱۴- شورش کاشمیری، نو رتن، مطبوعاتِ چٹان، میکلوڈ روڈ، لاہور، ص ۴۲، ۴۳۔
۱۵- ایضاً، ص ۵۶۔
۱۶- سید نذیر نیازی، اقبال کے حضور، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۱۵۲، ۱۵۶، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۷۱۔
۱۷- ایضاً، ص ۳۱۳۔
۱۸- ایضاً، ص ۳۹۴۔
۱۹- عبدالمجید سالک، ذکرِ اقبال، ص ۲۰۷، ۲۰۸۔
۲۰- ایضاً، ص ۱۵۰، ۱۵۱۔

❁❁❁